علامہ شبلی کا ایک ایرانی مداح و مترجم

ڈاکٹر تحسین فراقی

ABSTRACT:

Though Allama Shibli has immensely been acknowledged and praised for his contribution especially in Persian Literature by number of Irani Scholars and men of letters yet another Irani intellectual Fakhar Da'ee Gilani is worth mentioning in this regard. He is the first who introduced Shibli with the Iranians. He met Shibli number of times. He published very nice translations of Shibli's many books. This article is an account of Gilani's life and work with special reference to Allama Shibli Naumani.

علامہ شبلی کی علمی فضیلت، وسعتِ نظر یا فارسی ادبیات کے ضمن میں ان کی غیر معمولی خدمات کا اعتراف متعدد ایرانی فضلا اور بعض ادبا نے کیا ہے جن میں عبدالوہاب قزوینی، مشایخ فریدنی، احمد گلچین معانی، عباس مہرین شوشتری اور محمد شفیعی کدکنی وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ عبدالوہاب قزوینی علوم اسلامی اور اردو، فارسی اور عربی زبان و ادبیات میں ان کی وسیع اطلاعات کے معترف ہیں (۱)۔ مشایخ فریدنی انھیں ''ایران شناس مشہورِ ہند'' قرار دیتے ہیں (۲) احمد گلچین معانی اپنی عالمانہ کتاب ''کاروانِ ہند'' کی دونوں جلدوں میں جگہ جگہ ان کے حوالے دیتے ہیں (۳) انھیں کہیں ''علامہ شبلی'' لکھتے ہیں، کہیں ''مولانا شبلی''۔ ''تاریخِ تذکرہ ہای فارسی'' میں ''شعرالعجم'' کی لغزشوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس کتاب کو بہت قیمتی اور سودمند قرار دیتے ہیں (۴) عباس مہرین شوشتری کی کتاب ''تاریخ و ادبیات ایران در خارج از ایران'' میں انھیں ''نویسندۂ یگانہ'' لکھا گیا ہے (اگرچہ ان کے بعض تاریخی نکات کے موردِ انتقاد ہونے کا بھی اظہار کیا ہے) (۵) نامور نقاد اور ادیب محمد شفیعی کدکنی نے ''صورخیال در شعر فارسی'' میں کم از کم آٹھ جگہ ان کے اقتباس دیے ہیں اور ان کے تنقیدی نکات کی داد دی ہے (۶)

شبلی کے بارے میں ان سب معترفین کے کلماتِ تحسین اور حوالے اپنی جگہ مگر یاد رکھنا چاہیے کہ اس باب میں ایک اور ایرانی دانش ور فخر داعی گیلانی کے تاثرات و خدمات تفصیل سے درج کیے جانے کے متقاضی ہیں۔

عبدالوہاب قزوینی کے مختصر تاثر سے قطع نظر باقی تمام مذکورہ مصنفین پر فخر داعی گیلانی کو تقدم حاصل ہے کہ انھوں نے پہلی بار شبلی کو تفصیل کے ساتھ اہل ایران سے متعارف کرایا۔ انھیں شبلی سے متعدد ملاقاتوں کا شرف بھی حاصل رہا۔ ایران واپس جا کر انھوں نے علامہ کی متعدد تصانیف کے عمدہ فارسی ترجمے شائع کیے۔ شبلی کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے انھوں نے جابجا انھیں نویسندۂ نامی و مبّرز، مرد دانش مند، مولف دانش مند، علامۂ نبیل، عالم شہیر، علامۂ شہیر، مردِ بزرگ، ادبیات عربی و فارسی میں مقام بلند کا حامل، داشمندِ شہیر، خطاب ونطق میں یدِ طولیٰ رکھنے والا، مردِ نامی اور نویسندۂ متعمق جیسے القابات سے یاد کیا ہے۔

آیئے سب سے پہلے علامہ شبلی کے اس مداح و مترجم کا تعارف حاصل کرتے ہیں:

فخر داعی گیلانی محقق اور عالم تھے۔ متعدد زبانوں سے آگاہ تھے تاہم ان کی سب سے نمایاں حیثیت مترجم کی ہے۔ ان کا اصل نام سید محمد تقی گیلانی تھا ور لقب فخر المحققین۔ ولادت ۱۸۸۱ء۔ گیلان سے نسبت رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم وہیں سے حاصل کی۔ جوانی میں تہران چلے گئے اور وہاں چند سال تک حکمت، فلسفہ اور دینیات کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ محمد طالقانی، آقا میرزا مسیح سمنانی اور فاضل تفرشی جیسے اساتذہ سے فیض یاب ہوئے۔ بعد ازاں تکمیل درس کے لیے عراق گئے اور ملا عبداللہ ماز ندرانی اور اخوند محمد کاظم خراسانی سے کسب علوم کیا اور ان سے اجتہاد کا اجازت نامہ حاصل کیا۔ ایران میں تحریک مشروطہ کا آغاز ہوا تو اپنے استاد اخوند کاظم خراسانی کے ایما پر عراق میں مقیم آزادی خواہوں کے گروہ میں شامل ہوگئے۔ بعد میں انھی استاد کے حکم پر جدید مطالعات اور دعوت وتبلیغ کے لیے عازم ہندوستان ہوئے۔ بمبئی میں مقیم ہوئے۔ یہاں وہ انجمنِ دعوتِ اسلام سے وابستہ رہے۔ فخر داعی پندرہ برس ہندوستان میں رہے اور وہیں انگریزی اور اردو زبانوں کی تحصیل کی۔ اس کے بعد چار سال تک اندور کالج میں ادبیات فارسی، عربی اور فلسفہ وحکمت کا درس دیتے رہے۔ مسلمانوں کے امور کی سرپرستی کے باعث ''داعی الاسلام'' کے لقب سے اور بعدازاں تدریس وتحقیق کے باعث ''فخر المحققین'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ برعظیم کے متعدد شہروں کی سیر کی اور وہاں کے اکابر ادب سے دوستی کی۔ انھی میں شبلی نعمانی بھی شامل تھے۔ جنگِ عظیم اول کے خاتمے پر واپس ایران چلے گئے اور وزارتِ معارف وعلوم اور صنائع مستظرفہ سے وابستہ رہے۔ ادارۂ معارفِ خوزستان کے پہلے سربراہ ہونے کا شرف بھی انھیں کو حاصل ہوا۔ ایشیاٹک سوسائٹی لندن نے انھیں سر پرسائیکس میڈل سے اور وزارتِ فرہنگ ایران نے انھیں ''نشانِ ایران'' سے نوازا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی وزارتِ تعلیم کے دوران حکومتِ ہند کی جانب سے بھی چند تعریفی سر ٹیفکیٹ حاصل کیے۔

فخر داعی گیلانی، انگریزی، فرانسیسی، عربی اور اردو سے بخوبی آگاہ تھے۔ انھوں نے ان زبانوں کی کئی کتب کو فارسی میں منتقل کیا۔ بیاسی تراسی سال کی عمر پا کر تہران میں داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ تدفین قم میں ہوئی۔

فخر داعی گیلانی نے متعدد کتب کے فارسی میں ترجمے کیے جن میں دانیال دیفو، گستاولی بان اور سر پرسی سائیکس کی کتب مشہور ہیں۔ برعظیم کے تناظر میں انھیں علامہ شبلی سے خاص لگاؤ تھا۔ شبلی کی متعدد کتب کے بہت عمدہ تراجم کیے جن میں کتب خانۂ اسکندریہ (۱۸۹۲ء)، رسائل شبلی (۱۸۹۸ء)، علم الکلام (۱۹۰۳ء)، الکلام (۱۹۰۴ء)،

سوانح مولانا روم (۱۹۰۶ء) اور شعرالعجم (۱۹۰۹ء۔۱۹۱۸ء) شامل ہیں۔فخر داعی گیلانی سرسید کے بھی مداح تھے۔ان کی تفسیر القرآن کے بعض حصوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہوا (۷) فخر داعی گیلانی نے ۱۹۶۴میں انتقال کیا۔(۸)

فخر داعی گیلانی، علامہ شبلی کی شخصیت اور وسعتِ علم دونو کے مداح ومعترف تھے۔آیئے سب سے پہلے دیکھتے ہیں کہ وہ شبلی کی عالمانہ تصنیف ''کتاب خانۂ اسکندریہ'' کے فارسی ترجمے (۱۹۳۶ء) کے دیباچے میں ان کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔فخر داعی کا کہنا ہے کہ شبلی:

ہندوستان کی قرنِ حاضر کے نامور ادیب ہیں جو عصری علومِ اجتماعی پر جامع تحریروں کے باعث تمام متمدن دنیا میں معروف ہیں۔ خاص طور پر مصر اور بیروت کی مطبوعات میں ان کا بڑی شان سے ذکر ملتا ہے۔تاریخی، مذہبی اور ادبی مباحث پر مشتمل ان کی تصانیف سے استناد کیا جاتا ہے۔حتیٰ کہ پروفیسر ایڈورڈ براؤن انگلستانی نے بھی متعدد مقامات پر ان کے کلمات سے استشہاد کیا ہے۔

شبلی نے چند رسالے مختلف موضوعات پر بھی تصنیف کیے جو رسائل شبلی کے نام سے موسوم ہیں۔انھی میں ایک رسالہ ''کتب خانۂ اسکندریہ'' ہے جس میں اسکندریہ کے قدیم کتب خانے کے جلائے جانے کا ذکر ہے اور جس کا ذمہ دار یورپی اقوام میں اب تک مسلمانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔شبلی اس موضوع کو زیرِ بحث لائے ہیں اور عصر حاضر کے تحقیقی اصولوں کو بروئے کار لا کر عقلی ونقلی شواہد کی روشنی میں اور خود یورپی لکھنے والوں کے اقوال کی مدد سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ عمل خود نصاریٰ کے مذہبی و سیاسی پیشواؤں کا کیا دھرا ہے۔ایرانی مذہبی رہنما،شہید مطہری نے بھی اس الزام کے رد میں ''کتاب سوزیِ ایران ومصر'' لکھی (۹) لیکن ''الفضل للمتقدم'' کی ابدی صداقت کے پیشِ نظر شبلی جدید عالم اسلام کے پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور موضوع کا حق ادا کر دیا۔

قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ شبلی نے اس موضوع کو کاملاً کھنگالا کہ کوئی شبہ باقی نہ رہا۔ یوں یہ کتاب نہ صرف مبسوط ہے بل کہ ساتھ ہی ساتھ دل چسپ بھی ہے۔ وہ تحقیق کے امور سے اس قدر عمدہ انداز میں عہدہ برآ ہوئے کہ اس موضوع پر معاصر کتابوں میں اس کی مثال نایاب کے حدود میں داخل ہے۔ داعی نے شبلی کی وسعت معلومات، آزادہ نگاری، دقتِ نظر اور فُسحتِ فکر کی داد دی ہے۔ان کے نزدیک شبلی کا یہ رسالہ اس اعتبار سے بھی مفید ہے کہ انھوں نے روایت اور درایت کے اصول وقواعد کے مطابق بڑی دقتِ نظر سے مسئلے کا جائزہ لیا ہے۔ یہ وہ اسلوبِ تحقیق ہے جو مورخین ومحققین اسلام کے درمیان تاریخی مسائل و اخبار کے ناتے پانچویں صدی ہجری تک معمول اور متداول رہا اور بعدازاں یہ روش (بدقسمتی سے) باقی نہ رہی۔آگے چل کر لکھتے ہیں:

> ''میں نے چند سال قبل بڑی دقّتِ نظر سے اسے اردو سے فارسی میں ڈھالا ...اور اس کی تصحیح و تکمیل میں لگا رہا۔''

حقیقت یہ ہے کہ داعی کا مندرجہ بالا بیان حقیقت سے بڑی مطابقت رکھتا ہے۔ چند مستثنیات کو چھوڑ کر مجموعی حیثیت سے یہ بڑا کامیاب ترجمہ ہے۔ بے محل نہ ہوگا اگر یہاں نمونے کے طور پر اصل متن اور اس کے فارسی ترجمے

کا ایک ایک اقتباس درج کردیا جائے تاکہ قارئین خود دونوں کا تقابل کرکے ترجمے کے حسن وخوبی کا اندازہ کرسکیں۔ شبلی نے کتاب خانۂ اسکندریہ کے مسلمانوں کے ہاتھوں جلائے جانے کی تردید کرتے ہوئے ایک دلیل یہ دی ہے:

''اس واقعہ کے بے اصل ہونے کی ایک نہایت قوی دلیل یہ ہے کہ جس کتب خانے کا جلایا جانا بیان کیا جاتا ہے، وہ اسلام کے دَور سے پہلے ہی برباد ہوچکا تھا۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ کتب خانہ شاہانِ مصر نے جو بت پرست اور بہت سے خداؤں کے ماننے والے تھے، قائم کیا تھا۔ جب مصر میں عیسائیت کا دورہ ہوا تو عیسائی بادشاہوں نے تعصبِ مذہبی کی وجہ سے ان کتابوں کی بربادی شروع کی اور ان کے پاسِ ارادہ کو پادریوں نے اور بھی اشتعال دیا'' (۱۰)

فارسی متن:

"یک دلیل عمده و قوی در بی اصل بودن این واقعه آن است کتابخانه ای که سوزاندن آنرا ذکر می کنند پیش از ظهور اسلام این کتابخانه برباد رفته بود و حقیقت آنست که کتابخانهٔ مذبوره را سلاطینِ بت پرستِ مصر که خدایانِ عدیده را پرستش می کردند تاسیس کرده بودند. زمانیکه دیانتِ مسیح در مصر انتشار پیدا نمود، سلاطینِ عیسوی براثرِ تعصب مذهبی شروع به انهدامِ این کتابها نموده و مخصوصاً کشیشان بیشتر دامن به آتش زده در اجرای این منظور سهم وافری گرفتند" (۱۱)

قارئین بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ فخر داعی گیلانی نے مندرجہ بالا اُردو اقتباس کا کس قدر کامیاب اور رواں دواں لفظی ترجمہ کیا ہے اور کوئی مطلب یا جملہ حذف نہیں کیا۔

فخر داعی گیلانی نے یوں تو علامہ شبلی کی مختصر کتاب یا مقالے کتب خانۂ اسکندریہ کے فارسی ترجمے ''کتاب خانۂ اسکندریہ'' کے دیباچے میں بھی شبلی خصوصاً ان کی علمی فضلیت کا مختصر احوال لکھا ہے جو اوپر درج ہوا مگر ان کے بارے میں تفصیلی اور بڑا دلچسپ تذکرہ شبلی کی علم الکلام اور الکلام کے فارسی ترجمے ''تاریخ علم الکلام'' (۱۹۴۹ء) اور ''علم کلام جدید'' (۱۹۵۰ء) میں کیا ہے۔ یہ شخصی حوالے بعد کے تراجم مثلاً ''سوانح مولوی رومی'' (۱۹۵۳ء) اور ''شعرالعجم'' (۱۹۵۵ء) و مابعد وغیرہ کے مقدموں میں بھی ملتے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ شبلی کی شخصیت کے یہ خاکے کیسے ہیں:

یہ بات معلوم ہے کہ فخر داعی گیلانی علوم جدید کے حصول اور دعوت وتبلیغ کے لیے عراق سے ۱۹۱۰ء میں بمبئی آئے تھے۔ مختلف مذاہب کے پیروکاروں اور جدید طرزِ زیست کے حامل اس شہر میں وارد ہونے کے بعد انھوں نے اپنے تاثرات بڑے دلچسپ اور چشم کشا انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''میں اس جگہ ایک نئی دنیا کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ اس دنیا اور میری سابقہ دنیا میں زمین آسمان کا

فرق تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس جدید دنیا میں پرانے اسلوب زیست کے ساتھ زندگی کرنا ممکن نہیں۔ مجھے ایک چینی شاعر کا مقولہ یاد آیا جس نے کہا تھا کہ جو ''دانہ نشو ونما چاہتا ہے اسے چاہیے کہ دانے ہی کی طرح اپنے آپ سے دست بردار ہو جائے۔

لہٰذا میں نے مُلائی کی ظاہری حیثیت کو ٹھکرادیا اور سرتاپا جدید مطالعات میں غرق ہوگیا۔ اس ضمن میں مَیں نے انگریزی زبان و ادب اور اُردو کے مطالعے کی جانب پہلا قدم اُٹھایا۔''

اس دوران مشہور دانش ور شبلی نعمانی سیر و سیاحت کے لیے بمبئی آئے (۱۲) اتفاق سے انھوں نے اسی محلے میں ورود فرمایا جہاں میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میرا کمرہ ان کی اقامت گاہ سے متصل تھا، چوں کہ میں نے اس بزرگوار کی شہرت پہلے سے سُن رکھی تھی لہٰذا چاہتا تھا کہ فوراً ان کی زیارت کا شرف حاصل کروں۔

میری نگاہ ایک ایسے وجود پر پڑی جو صاف ستھرے لباس اور جبہ وقبہ میں ملبوس تھا اور اس سے عظمت اور معرفت کے آثار نمایاں تھے۔ انھوں نے بڑی محبت اور مہربانی سے مجھے اپنے نزدیک بٹھایا۔ کافی دیر تک مجھ سے مختلف موضوعات پر شگفتہ روئی اور بشاشت کے ساتھ گفت گو کی۔ اس زمانے کے ایران کے انقلابی مگر ساتھ ساتھ پرآشوب حالات بھی زیر بحث آئے۔ وہ حکومت ایران میں مشروطیت کے نتیجے میں پارلیمنٹ کے قیام پر بڑے خوش تھے مگر آذربائیجان کے افسوس ناک احوال و واقعات پر دل گرفتہ تھے (۱۳) کہنے لگے میں اس وقت لکھنؤ میں تھا اور میں نے آذربائیجان میں ہونے والے مظالم کے خلاف ایک جلسہ برپا کر کے آواز بلند کی تھی اور اخبارات کو تار دیے تھے۔

ایک دو ملاقاتوں میں مَیں اس نامور شخصیت کے بلند علمی مقام اور جامعیت کا شیفتہ ہوگیا اور خوش قسمتی سے ایسے اتفاقات ہوتے رہے کہ میں ان کی مصاحبت سے فیض یاب ہوتا رہا۔ بعد کی ایک ملاقات میں انھوں نے میرے کمرے میں آ کر مجھے مشرف کیا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے قیام بمبئی کے دوران مَیں اور آپ دوپہر اور شام کا کھانا اکٹھے کھایا کریں۔ مجھے اس پیش کش کے قبول کرنے میں کسی قدر تامل تھا مگر انھوں نے کمال بے تکلفی اور شرح صدر کے ساتھ جو ارباب دانش و کمال کا شیوہ ہوتا ہے، فرمایا کہ چوں کہ میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ مانوس ہو جائیں سو اگر آپ میری پیش کش کو قبول کرنے میں متامل ہیں تو ایسا کریں کہ جو کھانا آپ اپنے لیے تیار کرتے ہیں وہ یہاں لے آیا کریں۔ میری غذا اس وقت بڑی سادہ اور ناچیز ہوتی تھی جب کہ شبلی کے ہمراہ ایک ذاتی باورچی تھا جو ان کے لیے بہترین اور نہایت مرغوب اور مزے کے کھانے تیار کرتا تھا۔

چوں کہ میں اس استاد بزرگوار کے قیام سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے ان کی تجویز سے اتفاق کیا۔ فراغت کے ان اوقات میں مَیں ان کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کرتا رہا۔ میں متعدد سوالات اور مسائل ان کے گوش گزار کرتا۔ وہ ان کے کامل اور شافی جواب اور حل مہیا کرتے۔ کبھی کبھی مجھے اپنے کمرۂ تحریر میں بھی لے جاتے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ شبلی اپنے تمام سفروں میں متحرک کتب خانہ (کتب خانۂ سیار)

اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اپنی منزل پر پہنچ کر سب سے پہلے اپنے تحریر و انشا کے کمرے کو مرتب کرواتے۔ سفر میں ہوں یا حضر میں روزانہ چار گھنٹے تصنیف و تالیف پر صرف کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جب سے میں نے لکھنے کا آغاز کیا تو اس معمول میں فرق نہ آنے دیا۔ ایک دفعہ میں نے ان سے پوچھا کہ روزانہ چار گھنٹے کام کر کے وہ کیسے اس قابل ہوئے کہ اتنی ڈھیر ساری تالیفات وجود میں آ گئیں۔ فرمایا: کسی بھی کام کی عمدہ پیش رفت کے لیے اصل چیز تسلسل اور انضباط ہے۔ زیادہ کام کرنا اور نڈھال ہو کر گھل جانا نہیں!

فخر داعی گیلانی ''سوانح مولوی رومی'' کے مقدمے میں بھی علامہ شبلی کے بارے اپنے تاثرات بڑی صراحت اور کمال عقیدت سے بیان کرتے ہیں اور اس طرح کہ شبلی کی جیتی جاگتی بے تکلف زندگی کی پرتیں کھلنے لگتی ہیں۔ لکھتے ہیں:

میں خود جنگ عظیم اول سے کچھ عرصہ پہلے استاد بزرگوار کی پُر نور صحبت سے فیض اندوز رہا ہوں۔ وہ سچائی اور لہجے کی صراحت سے متصف تھے۔ اپنی غیر معمولی دانش وعلم کے باوجود غرور اور عالمانہ کبر کے قریب بھی نہ پھٹکے تھے۔ حد درجہ متواضع، منکسر اور بے تکلف تھے۔ بڑے لطیف مزاج، شوخ اور بذلہ سنج تھے۔ ان کی روح کی نشاط، چہرے بشرے کی جاذبیت، لطفِ صحبت، کشادہ روئی اور سب سے بڑھ کر لطفِ کلام ہی کی بدولت ہر شخص ان سے بات چیت کر کے محظوظ ہوتا تھا۔ ان میں طبیعت کی رفعت اور خود داری اس درجے کی تھی کہ سلاطین و امرا کے انعامات اور ہدایا کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ممالک اسلامی کی سیاحت میں تمام اخراجات خود برداشت کیے۔ تین زبانوں میں شعر کہتے تھے مگر کسی کا قصیدہ نہیں کہا۔ حیدرآباد کے ایک ثروت مند وزیر نے انھیں انعام و اکرام سے نوازنا چاہا۔ ایما یہ تھا کہ شبلی ان کا قصیدہ لکھیں۔ فرمایا یہ میری عادت کے خلاف ہے۔ دوبارہ اظہار کیا گیا تو شبلی نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا: میرے لیے ممکن نہیں کہ کسی کا قصیدہ کہوں۔

کتاب خوانی اور لکھنے پڑھنے سے عشق تھا (۱۴) کتاب ان کی بہترین مصاحب تھی اور اس کی لذت کو ہر لذت پر ترجیح دیتے تھے۔ ان کی تحریروں پر جو ایرادات اور اعتراضات ہوئے اور ہوتے رہے ان کا کبھی جواب نہ دیا۔ بعض مواقع پر ان کے شاگرد اور عقیدت مند ان کے حضور میں تشویش کا اظہار کرتے اور جواب لکھنے کو کہتے تو فرماتے، جو وقت اس کام میں صرف کروں گا بہتر نہ ہوگا کہ اسے کس نئے اور مفید علمی کام میں صرف کروں۔

فخر داعی گیلانی نے شبلی کی عزت نفس، خودداری اور معترضین سے اعراض جیسے امور کا ذکر کیا ہے۔ ان امور کی تصدیق سید سلیمان ندوی کی عمدہ سوانحی تصنیف ''حیاتِ شبلی'' اور بعض دیگر تحریروں سے بخوبی ہوتی ہے۔ نواب محسن الملک کے نام ایک خط میں شبلی نے کس قدر سچ کہا تھا:

> ''مجھ سے جوڑ توڑ، سازش، دربار داری، خوشامد، لوگوں کی جھوٹی آؤ بھگت نہیں ہو سکتی اور بغیر اس کے کامیابی معلوم'' (۱۵)

اب ہم آتے ہیں شبلی کی شعرالعجم کی طرف۔ فخر داعی گیلانی نے اس کی پانچوں جلدوں کا فارسی میں ترجمہ کیا اور ان پر مفصل مقدمے لکھے۔ پہلی جلد کے مقدمے میں شبلی کے حالات زندگی اجمالاً لکھنے کے بعد ان سے اپنی

ملاقاتوں کا دلچسپ احوال لکھتے ہیں:

اگرچہ ان کی عمر اس وقت کوئی زیادہ نہ تھی لیکن تحریر و مطالعہ کی کثرت کے باعث شکستہ اور بوڑھے دکھائی دیتے تھے تاہم ان کی روحانی نشاط حیرت انگیز تھی۔ ظرافت اور لطفِ بیان میں بے نظیر تھے۔ شاعری سے گہرا لگاؤ تھا۔ ان کے وجود کو اچھا شعر ہر شے سے زیادہ متاثر کرتا تھا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ایک دن اثنائے ملاقات میں حافظ کے یہ شعر پڑھے:

مشکلِ خویش بر پیرِ مغاں بُردم دوش　　　　کُو بہ تائیدِ نظر حلِ معمّا می کرد!
دیدمش خرم و خنداں قدحِ بادہ بدست　　　　وندر آن آئینہ صد گونہ تماشا می کرد
گفتم این جامِ جہاں بیں بتو کے داد حکیم　　　　گفت آن روز کہ این گنبدِ مینا می کرد

میں نے دیکھا کہ ان پر وجد کی حالت طاری ہوگئی تھی اور وہ اس کیفیت میں جھوم رہے تھے۔ پھر تبسم کیا اور فرمایا اگر مجھے پورا ایران بھی دے دیا جائے تو مجھے وہ مسرت اور کیف حاصل نہ ہوگا جو ان تین شعروں سے حاصل ہوتا ہے۔

شبلی کو روحانی مسرت اور باطنی نشاط سے اس قدر بہرۂ وافر عطا ہوا تھا کہ بڑھاپے اور شکستگی کے باوجود جس پر ایک مصنوعی پاؤں (۱۶) مستزاد تھا، بلا ناغہ عصر کے بعد اسی چوبیں پاؤں کے باوجود سیر و تفریح کو نکلتے اور بعض اوقات مجھے بھی اپنے ہمراہ لے جاتے۔

فخر داعی گیلانی، شبلی کے علمی آثار سے حددرجہ متاثر تھے۔ اگر ایک طرف ان کی خوش قسمتی تھی کہ انھیں شبلی کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے مواقع ملے تو دوسری طرف خود شبلی کی خوش بختی ہے کہ ان کی بعض کتابوں کو فخر داعی گیلانی جیسا مترجم نصیب ہوا۔ داعی گیلانی ان ممتاز ادباء و مترجمین میں سے تھے جو کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ وہ عربی، فرانسیسی، انگریزی اور اردو سے آگاہ تھے۔ میں نے سوائے ''مجموعہ مقالات شبلی'' (فارسی ترجمہ) کے جو تا حال مجھے دستیاب نہیں ہوسکی، داعی گیلانی کے شبلی سے متعلق باقی تمام تراجم کو جستہ جستہ دیکھا ہے اور ان کا اصل اردو متن سے تقابل کیا ہے۔ گیلانی کے ان تراجم کو نہایت کامیاب ترجمے قرار دیا جاسکتا ہے۔ پہلے ایڈیشنوں پر گیلانی نے کمال دقت سے نظرِ ثانی کی۔ اب ان تراجم کو اصل کے بہترین قائم مقام قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایک سہو کی نشان دہی البتہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ داعی گیلانی نے شبلی کے انگریز معاصر اور ہم کار ٹامس آرنلڈ کا نام غلطی سے میتھیو آرنلڈ لکھ دیا ہے (۱۷) میتھیو آرنلڈ (م ۱۸۸۸ء) شاعر اور نقاد تھا۔

یہاں اس امر کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ فخر داعی گیلانی کے ''شعر العجم'' کے ترجمے پر افغانستان میں ہونے والا ترجمہ متقدم ہے (۱۸) لیکن جیسا کہ آقای سعید نفیسی کی رائے ہے کہ ''این ترجمہ ایرانیان را ساز گار نمی افتاد زیرا کہ بزبانِ فارسی مانوسِ ایران نبود و چاپ ناهموار آن رغبتی را برنمی انگیخت۔'' (۱۹)

ترجمے کے بارے میں ایک مقولہ بڑا مشہور ہے کہ اس کی مثال اس خاتون کی سی ہوتی ہے کہ اگر وفادار ہو تو خوب صورت نہیں ہوتی اور اگر خوب صورت ہو تو وفادار نہیں ہوتی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک پاکستانی بزرگ نے

''افواجِ قاہرہ'' کا انگریزی ترجمہ ''Forces of CAIRO'' کیا تھا اور ایک دوسرے صاحب نے ''ستارے آسماں کے بے خبر تھے لذتِ رم سے'' میں لذتِ رم کا ترجمہ ''Taste of rum'' کیا تھا۔ ان کے خیال میں ''رم'' سے مراد وہ نشہ آور مشروب تھا جو گنے کے رس سے تیار ہوتا ہے! فخر داعی گیلانی کے یہاں شاید ہی کوئی ایسی بوالعجبی نظر آئے۔ پھر انھوں نے اس ترجمے پر جابجا جو توضیحی حواشی لکھے ہیں وہ نہایت مفید ہیں اور مترجم کی وسعت علم کی گواہی دیتے ہیں۔

داعی گیلانی نے شبلی کی جن کتب و رسائل کے ترجمے کیے، ان کی افادیت، گہرائی اور نکتہ طرازی کے وہ بے حد مداح تھے۔ ''شعرالعجم'' کی پہلی جلد کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ایک معاصر ادیب کا قول ہے کہ ہر اچھی کتاب کو کم از کم تین بار ضرور پڑھنا چاہیے۔ پھر فرانسس بیکن کا مشہور قول نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کتابوں کو محض چکھنا چاہیے اور بعض کو ایک ہی بار نگل لینا چاہیے مگر چند کتابیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنھیں مکمل طور پر چبانا چاہیے یعنی اس کے ہر ہر جز کو نہایت دقتِ نظر سے اور سبجھ سبجھ مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہماری نظر میں شبلی کی ''شعرالعجم'' بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے کہ اس کے تمام اجزا کو گہری نظر سے غیر جانب دار ہو کر اور نہایت بے تعصبی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

''شعرالعجم'' کی جامعیت اور وسعت کی تعریف کرتے ہوئے داعی گیلانی شبلی سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگرچہ فارسی شاعری تنہا دنیا کی شاعری کے مقابل کھڑی کی جاسکتی ہے مگر یہ کہ اس شاعری کا آغاز کب ہوا، اس کے ظہور کے علل و اسباب کیا تھے، اس نے ارتقا کے مرحلے کیسے طے کیے۔ اس میں مرورِ وقت کے ساتھ پیدا ہونے والے تغیرات کیا تھے اور سماجی حالات و واقعات نے اس کو کس طرح متاثر کیا یا قوم کی سیاسی و سماجی صورتِ حال پر اس کا کیا اثر ہوا، ان امور کے حوالے سے مسلم زبانوں میں کوئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔ شبلی نے ''شعرالعجم'' کی چوتھی جلد میں ان امور کے مفصل اور تازہ جواب مہیا کیے۔ داعی گیلانی کا خیال ہے کہ جو شخص بھی ''شعرالعجم'' کا دقتِ نظر سے مطالعہ کرے گا اسے بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ ایران کے ادب منظوم کے ناتے کوئی کتاب اب تک ''شعرالعجم'' کی جامعیت کو نہیں پہنچتی۔

داعی گیلانی، رومی پر شبلی کی تصنیفِ لطیف ''سوانح مولانا روم'' پر لکھتے ہوئے شبلی کی تازہ کاری اور کلامی مباحث کو پانی کردینے کی صلاحیت کی داد دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں شبلی نے کتاب مذکور میں گہرے مسائل و مباحث کو اس قدر سادہ اور روشن اسلوب میں حل کردیا ہے اور اس مہارت سے کہ گویا ہر بھید سے پردہ اُٹھادیا ہے۔ ان حقائق و معارف کو اس قدر شیریں، جالب اور جاذب اسلوب میں سمو دیا ہے کہ میرا قلم اس کے بیان سے عاجز ہے۔ انھوں نے حیاتِ رومی کا ایک ایسا دروازہ کھول دیا اور گویا ایسے علمی رازوں کو فاش کردیا جو اب تک ہماری نظروں سے اوجھل تھے۔ اس خدمت پر شبلی درحقیقت ہمارے سپاس وقدردانی کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

آپ کے علم میں ہے کہ شبلی کا ''کلامیات'' کا سلسلہ ''الغزالی'' (۱۹۰۲ء) سے شروع ہوا۔ اور پھر ''علم الکلام'' اور ''الکلام'' سے ہوتا ہوا سوانح مولانا روم (۱۹۰۶ء) پر منتج ہوا۔ سوانح مولانا روم پر گفت گو ہو چکی، اب علم الکلام اور

الکلام پر داعی گیلانی کے تاثرات کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے: ''علم الکلام'' کے فارسی ترجمے ''تاریخ علم کلام'' کے دیباچے میں شبلی کی دین کا ذکر کرتے ہوئے داعی گیلانی لکھتے ہیں:

یہ فکر ایک عرصے سے ذہنوں میں راسخ ہوچکی ہے کہ علم کلام کے بیش تر مسائل یونانیوں سے ماخوذ و مقتبس ہیں اور مسلمان ندرتِ فکر اور اختراع سے عاری تھے۔ ان کے پاس جو کچھ تھا یونانی حکما سے فیض اندوزی کا نتیجہ تھا جیسا کہ بعض یورپی مصنف لکھتے ہیں کہ فلسفے کے میدان میں مسلمان ارسطو کے اور یونانیوں کے کاسہ لیس تھے۔ شبلی نے اس غلط فکری کا اپنے توانا قلم سے اس طرح رد کیا کہ قاری کے لیے شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ شبلی کی تحقیق بتاتی ہے کہ غزالی کے ہاں نبوت، وحی اور الہام وغیرہ جیسے مطالب فارابی اور ابن سینا سے ماخوذ ہیں۔ یہ مسائل ابن سینا اور فارابی کی مخترعات ہیں اور ان کا حکمائے یونان سے کوئی تعلق نہیں۔

غرض شبلی ایقان انگیز دلائل و براہین سے ثابت کرتے ہیں کہ الٰہیات کے میدان میں مسلمان یونانیوں سے میلوں آگے تھے۔ وہ یورپیوں کے اس لغو خیال کے جواب میں کہ مسلمان یونانی فکر کے قلی تھے، کیا خوب لکھتے ہیں کہ ان کوتاہ نظروں کو ابوالبرکات، امام غزالی، امام رازی، آمدی اور ابنِ تیمیہ کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ فلسفہ تو ایک طرف مسلمانوں نے یونانی منطق کی غلطی اور بے اصلی کو بھی ثابت کیا جس کا کسی کو احتمال تک نہ تھا۔

علامہ شبلی کی دوسری کتاب ''الکلام'' کے ترجمے: ''علم کلام جدید'' کے مقدمے میں شبلی کو خراج محبت پیش کرتے ہوئے فخر داعی لکھتے ہیں کہ اس مردِ بزرگ (شبلی) کی ایک نمایاں خدمت جس پر وہ ہم سب کی ہر طرح کی توصیف کے مستحق ہیں، یہ ہے کہ ہمارے افکار کے گراں بہا گنجینوں یعنی ہمارے قدیم علمی مفاخر کو جو معاشرے کے علمی و عقلی زوال کے باعث اور آزادیِ اظہار کے فقدان کے باعث فرزندانِ ایران نے مخفی اور سر بہ مہر چھوڑ دیے تھے اور ہماری نظروں سے اوجھل تھے، اس مرد کے توسط سے جمع ہوکر ہمارے ہاتھوں میں پہنچ گئے۔

فخر داعی گیلانی نے شبلی کی تصنیفات و تالیفات کی ارزش اور اہمیت کے بیان میں جرمنی کے کسی نامور مستشرق کا ذکر کیا ہے جس کا کہنا ہے کہ ہندوستان کے قلم کاروں میں شبلی وہ تنہا مصنف ہیں کہ ان کی تحریریں کلیۃً علمی بنیادوں پر استوار ہیں اور آج کے یورپی محققوں کی منتقدانہ روش کے مطابق ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ فخر المحققین فخر داعی گیلانی نے شبلی سے عقیدت اور محبت کا حق اس طرح ادا کیا کہ اہلِ ایران کو شبلی کی وسعت علم، نکتہ طرازی، ابتکارِ فکر اور فارسی ادبیات کے ایک بے مثال ناقد کے طور پر متعارف کرایا۔ یہ ایک ایسی خدمت ہے جس کے نتیجے میں خود فاضل مترجم کا نام شبلی کے نام کے ساتھ ایک جزوِ لاینفک کا درجہ اختیار کر گیا ہے۔ ایک بلند نگاہ سالک نے کس قدر درست کہا تھا کہ ہم بیچاروں کی حیثیت تو شاہبازانِ طریقت کے پنجے سے چمٹی ایک چیونٹی کی سی ہے۔ فلک رس اور ستارہ شکار پرواز تو شہباز کرتا ہے لیکن اس کے فیض سے ہمیں بھی بلندی نصیب ہوجاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ فخر داعی گیلانی بھی شبلی کے سے شاہینِ بلند پرواز کے فیض سے ہمیشہ اوجِ آسمان پر نظر آتے رہیں گے اور اہلِ نظر سے خراجِ عقیدت وصول کرتے رہیں گے۔

حواشی:

۱۔ بحوالہ **تاریخ تذکرہ ہای فارسی** (احمد گلچین معانی)، کتابخانۂ سنائی، ۱۳۴۳ھ۔ش، ص ۶۶۲

۲۔ ر۔ک **دانشنامۂ ادب فارسی** (مرتبہ حسن انوشہ)، وزارتِ فرہنگ وارشاد اسلامی، ۱۳۷۵ھ ش، ص ۱۵۰۰

۳۔ ملاحظہ فرمائیں **کاروانِ ہند**، آستان قدس رضوی، بارِ اول ۱۳۶۹ھ ش، صص ۶۱۲، ۶۲۷، ۶۶۷، ۷۷۳، ۸۷۵، ۸۸۱، ۱۱۷۵

۴۔ ایضاً، ص ۶۶۲

۵۔ دل چسپ امر یہ ہے کہ خود کتابِ مذکور میں شبلی کا نام ''سراج الدین محمد'' لکھا گیا ہے جو صریحاً غلط ہے۔ شبلی کے مختصر حیات نامے میں اور بھی اغلاط ہیں مگر ان کا ذکر سردست میرے موضوع سے خارج ہے۔

۶۔ ملاحظہ ہو کتاب مذکور، انتشارات آگاہ ۱۳۵۸ھ ش، صص ۵۸، ۸۴، ۱۳۶، ۱۸۰، ۱۹۹، ۲۶۹، ۲۹۳، ۳۰۹

۷۔ فرہنگ فارسی معین (بخش سوم بہ سلسلہ اعلام) جلد ششم، تہران، ۱۳۸۲ھ ش میں دو کے بجائے تین جلدوں کا ذکر ہے۔

۸۔ فخر داعی گیلانی کے سوانح کی یہ تفصیل دانش نامۂ دانش گستر (تہران) جلد یازدہم ۱۳۸۹ھ ش اور دانش نامۂ ادب فارسی (حسن انوشہ)، جلد چہارم، تہران ۱۳۸۰ھ ش سے ماخوذ ہے۔

۹۔ یہ کتاب ۱۹۷۸ء میں لکھی گئی۔ اردو ترجمے کے لیے ملاحظہ ہو **ایران اور مصر میں کتب سوزی** (ترجمہ وحواشی عارف نوشاہی) ۱۹۸۱ء

۱۰۔ **مقالاتِ شبلی** (جلد ششم)، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۶

۱۱۔ کتابخانۂ اسکندریہ، مطبع ارمغان، ۱۳۱۵ھ ش، ص ۴۸

۱۲۔ یہ وہی بمبئی ہے جس کے بارے میں شبلی کے یہ شعر بڑے مشہور ہیں: نثارِ بمبئی کن ہر متاعِ کہنہ ونورا... بدہ ساقی مئے باقی ... الخ اور جو شبلی کے اس مصرعے کی یاد بھی دلاتے ہیں: ''این غزل اول فیضِ اثر بمبئی است''۔ اہل علم اور شبلی شناسوں کو یاد ہوگا کہ فارسی شعری مجموعے کا نام اولاً ''دستۂ گل'' نہیں ''بمبئیات'' تھا۔ رک ''مکاتیب شبلی'' اول، ص ۲۰۶

۱۳۔ اشارہ شاہِ ایران محمد علی شاہ کی طرف ہے جس نے تحریک آزادی کو دبانے کے لیے تبریز اور آذربائیجان کے حریت پسندوں کا خون بہایا۔

۱۴۔ متنبّی کا مشہور شعر یاد آتا ہے: اعزُّ مکانٍ فی الدُّنی سرجُ سابحٍ ۔ وخیرُ جلیسٍ فی الزمانِ کتابُ

۱۵۔ **مکاتیب شبلی**، حصہ اول، ص ۱۸

۱۶۔ اشارہ شبلی کے حادثۂ گزندِ پا (۱۹۰۷ء) کی طرف ہے جس پر انھوں نے ایک یادگار شعر کہا تھا:

شبلیِ نامہ سیاہ را بہ جزائے عملش ۔۔۔ پا بریدند و صدا خاست کہ سر می بایست!

۱۷۔ **شعرالعجم** (جلد اول)، تہران، دنیائے کتاب ۱۳۶۳ھ ش، ص ھ

۱۸۔ **شعرالعجم** کی تیسری جلد کا ترجمہ سرور خاں گویا اعتمادی نے کیا تھا۔ باقی جلدوں میں سے پہلی اور پانچویں کا ترجمہ منصور انصاری نے، دوسری کا گل محمد خان زکریا نے اور چوتھی کا برہان الدین کشلکی نے ترجمہ کیا۔ میری نظر سے یہ تراجم نہیں گزرے۔ ان معلومات کے ضمن میں میرا ماخذ احمد گلچین معانی کی کتاب ''تاریخ تذکرہ ہای فارسی'' ہے۔

۱۹۔ **شعرالعجم** (جلد سوم)، تہران، دنیائے کتاب ۱۳۶۳ھ ش، ص ھ